رسائل و مسائل

بینکنگ اور انشورنس اسلامی نقطۂ نگاہ سے

رنگون سے ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"مسلمان دنیا میں یا تو محکومی اور غلامی کی وجہ سے یورپ کے تابع ہیں، یا بین الاقوامی تعلقات کی وجہ سے یورپ سے بندھے ہوئے ہیں، اور یورپ اپنے سیاسی غلبہ کی بنا پر ان کے ہر شعبۂ زندگی پر مستولی اور قابض ہے۔ مانا کہ اباحت کا دروازہ کھولنا سخت پرخطر ہے، مگر یورپ اور غیر مسلم قوموں کے بینکنگ سسٹم سے نجات پانے کی کیا صورت ہے؟ مسلمان خود تو بینک قائم نہیں کرسکتے، کیونکہ سود کے بغیر بینک نہیں چل سکتا، لیکن دوسرے بینکوں سے معاملہ کرکے لاکھوں کا سود دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور ان اجنبی بینکوں کے رحم پر ان کی زندگی اور تجارت موقوف ہو جاتی ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں انھیں دیوالیہ بنا دیتے ہیں۔ جہاں تک معاملات کا تعلق ہے، موجودہ دور میں بغیر بینک قائم کیے کوئی قوم شاید اپنی ساکھ نہ قائم رکھ سکتی ہے، اور نہ دوسری قوموں سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ آخر اس کا عملی حل کیا ہونا چاہیے؟ جب تک مسلمان غالب اور خلافت ارض کے مالک نہ بنیں اس وقت تک تو بظاہر دوسری قوموں سے اپنے اصول نہیں منوا سکتے۔

علاوہ بریں اس وقت ایک مسئلہ بیمہ کا بھی درپیش ہے۔ چند مہینے ہوئے یہاں ایک مہیب آتش زدگی میں مسلمانوں کی دو عظیم الشان مارکیٹیں جل کر تباہ ہو گئیں، اور چونکہ ان کا بیمہ نہیں ہوا تھا اس لیے کروڑ ڈیڑھ کروڑ بلکہ دو کروڑ کی ملکیت کا نقصان ہو گیا۔ اس مارکٹ میں

اکثر مسلمان تاجر ہی دوکان دار تھے۔ اب یہ بازار دوبارہ بن رہے ہیں اور بیمہ کی تجویز سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ بیمہ میں کیا ربوٰ اور قمار دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں؟ یا یہ ایک تعاونی ریز رو فنڈ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے شرکاء نے اپنی رضامندی سے ایک دوسرے کی اعانت کے لیے آپس میں معاہدہ کرلیا ہے اور بیمہ کمپنی کو اپنا وکیل بنا کر اس کی ذمہ داری میں اس کام کو دیدیا ہے؟ بہر صورت اس مسئلہ پر جو بھی جناب کی رائے ہو اسے ظاہر فرما دیں۔ عرصہ ہوا کہ جناب مولانا مفتی .... صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تھی اور جناب نے سود کی اباحت کے متعلق مولانا مناظر احسن صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے جو دلائل پیش کئے تھے انھیں مفتی صاحب نے پسند فرمایا تھا۔ اسی عرصہ میں بیمہ کے متعلق .... (ہندوستان کا مشہور دارالافتاء) ... سے ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں اسے ربوٰ اور قمار تسلیم کرتے ہوئے دارالحرب کی شرط بڑیا اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی کے شرکاء میں غیر مسلم بھی ہوں، اس کی اجازت درج تھی۔ یہ وہی اصول تھا جس پر جناب نے اعتراض کیا تھا۔ چنانچہ سلسلۂ گفتگو اس پر منتہی ہوا کہ اس معاملہ میں آپ کو لکھا جائے اور آپکی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے۔"

ترجمان القرآن۔ اس سے پہلے ان صفحات میں "سود" کے مسئلہ پر جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اگر آپ کے پیش نظر ہے تو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی ہوگی کہ انسانی زندگی کے معاشی شعبے میں اسلام دراصل ایک اصلاحی تحریک ہے جس کا منشا مختلف طبقوں کی معاشی اغراض کے درمیان مصالحت اور توازن قائم کرنا ہے۔

انسان کی فطرت میں جو خود غرضی رکھی گئی ہے، وہ اگر ہر شخص اور ہر طبقہ میں ایک حد اعتدال پر رہے، اور اس کے ساتھ انسانی فطرت کے دوسرے بلند تر اخلاقی اوصاف — ہمدردی، ایثار، فیاضی، حب نوع، قناعت، اقتصاد، وغیرہ — کو بھی صحیح تناسب کے ساتھ بروئے کار آنے کا

موقع حاصل ہو، تو خدا کی زمین میں نوع انسانی کے تمام افراد کو ان کی فطری استعداد اور ان کے حقیقی مزاج کے لحاظ سے زندگی بسر کرنے کے وسائل کافی اور وافی بہم پہونچ سکتے ہیں، اور کوئی ایسی معاشی ناہمواری پیدا نہیں ہو سکتی جو اقتضائے فطرت کے خلاف ہو یا جس کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں رونما ہو۔ لیکن انسان کے ساتھ ابتدائے آفرینش سے ایک ایسی قوت ـــ شیطانی قوت ـــ بھی لگی ہوئی ہے جو ہمیشہ اس کی فطرت کے بلند تر اخلاقی اوصاف، یا بالفاظ دیگر اس کے انسانی خصائص کو دباتی رہتی ہے، اور اس کے حیوانی خصائص کو فطری اعتدال کی حد سے زیادہ ابھار دیتی ہے تاکہ وہ اپنے ملکوتی نصب العین کی طرف پرواز نہ کر سکے، اور اپنے نفس ناطقہ کی بہترین قوتوں کو ـــ جو اس پرواز میں مدد دینے کے لیے بخشی گئی تھیں ـــ اپنی حیوانیت کا خادم بنا کر زمین میں فساد برپا کرتا رہے۔ یہی شیطان ہے جو زندگی کے بہت سے دوسرے شعبوں کی طرح معاشی شعبے میں بھی انسان کے فطری توازن و اعتدال کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ انسانی جماعت کے مختلف طبقوں میں مختلف صورتوں سے خود غرضی کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ جو طبقے نسبتاً خوش نصیب ہیں ان کے اندر یہ جذبہ حرص، بخل، سنگدلی اور بے دردی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس سے سرمایہ داری کی انتہائی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اور جو طبقے نسبتاً کم نصیب ہیں ان کے اندر وہ رشک و حسد اور غیظ و غضب کی صورت اختیار کرتا ہے جس کی بدولت اس طبقہ کے لوگ جائز اور فطری سرمایہ داری کے بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں سرمایہ داروں کے خلاف نادار طبقوں کی خود غرضی صرف چوری، ڈکیتی، ٹھگی، اور ایسی ہی دوسری بھونڈی شکلوں میں ظاہر ہوتی تھی اب جدید زمانہ میں اسی چیز نے ایک بہت شایستہ اور باضابطہ شکل اختیار کر لی ہے جس کا بہت ہی پاکیزہ نام "اشتراکیت" ہے۔

اسلام کا مقصد انہی دونوں انتہاؤں سے انسان کو روکنا ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں میں جہاں تک حق اور عدل ہے، اس حد تک وہ دونوں کی حمایت کرتا ہے، اور دونوں کو ملا کر

داری
معاشی نظام میں سمو دیتا ہے، مگر جہاں ظلم و عدوان کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں وہیں سے وہ شرکت اور اشتراکیت دونوں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، اور ان دونوں انتہاؤں کی طرف جانے والے راستوں کو بند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ معاشی مسئلہ پر نہ تو مالدار طبقے کے زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالتا ہے کہ اشتراکیت اس کو سراسر عیب نظر آئے، اور نہ نادار طبقہ کی نگاہ سے اس کو دیکھتا ہے کہ سرمایہ داری اسے تمام تر گناہ ہی گناہ دکھائی دے۔ برعکس اس کے وہ مجموعی حیثیت سے پوری نوع انسانی کے مفاد کو پیش نظر رکھکر ایسا معاشی بندوبست کرنا چاہتا ہے جس میں سب انسانوں کی فطری خودغرضی کے لیے کافی گنجائش ہو، اور کسی کی خودغرضی اس حد تک نہ بڑھ سکے کہ وہ دوسرے کی خودغرضی کو پامال کردے۔

مختلف خودغرضیوں کے درمیان اس قسم کی مصالحت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ایک طرف انسان کے معاشی نقطۂ نظر کی اصلاح کی جائے، اور دوسری طرف قانون ایسا بنا دیا جائے جس کے ذریعے سے سرمایہ دار کی خودغرضی کو حرص و بخل تک پہنچنے سے روکا جاسکے، اور نادار کی خودغرضی کو رشک و حسد تک بڑھ جانے کی ضرورت نہ رہے۔ قرآن میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا[1]۔ اور وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ[2]۔ اور لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ[3]۔ اور وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ[4]۔ اور يَمْحَقُ اللَّهُ

[1] شیطان تم کو خوف دلاتا ہے کہ نیک کاموں میں خرچ کرنے سے حقیر ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں برائی کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عنایت کا وعدہ کرتا ہے۔

[2] جو کچھ تم راہ خیر میں صرف کرو گے وہ تمہیں پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائیگا۔

[3] ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ بلکہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہونی چاہیے اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔

[4] جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں، یہ گمان نہ کرو کہ ایسا کرنا ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔

الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ[۱] اور وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ[۲] اور وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ[۳] اور اَللّٰهُ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ[۴] اور وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي
الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ[۵] اور نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا[۶] تو یہ محض
اخلاقی تعلیمات ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں معاشیات کے صحیح اصول و مبادی کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے اور معاشی مسائل کے متعلق انسان کو ایک صحیح نقطۂ نظر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ قرآن اور سنت نبوی میں معاشی تنظیم کے متعلق جو احکام دیے گئے ہیں ان سب کا اصل الاصول یہ ہے کہ جائز اور فطری سرمایہ داری جو انسان کی مادی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہے، نہ صرف محفوظ رہے بلکہ نشو و نما پاتی رہے مگر سرمایہ کی گردش کو سرمایہ داروں میں مقید نہ ہونے دیا جائے بلکہ ایسے دروازے عملاً کھول دیے جائیں جن سے ناداروں تک آپ سے آپ سرمایہ پہنچتا چلا جائے۔ سود کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت اس معاشی تنظیم کے اہم ترین ارکان ہیں۔ تحریم سود وہ سب سے بڑی طاقت ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ داری کو ظالمانہ سرمایہ داری کی حد تک پہنچنے سے روکا جا سکتا ہے۔ اور فرضیت زکوٰۃ وہ سب سے بڑی حکیمانہ تدبیر ہے جس سے جارحانہ اشتراکیت کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ انسانی جماعت میں

---

۱ اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو و نما دیتا ہے۔

۲ تم جو سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال بڑھیں تو خدا کے نزدیک وہ نہیں بڑھتے۔

۳ تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت خدا نے دی ہے اس پر رشک نہ کرو۔

۴ اللہ جس کو چاہتا ہے خوب رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔

۵ اگر خدا اپنے بندوں پر رزق میں خوب کشادگی کر دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے مگر وہ ایک اندازہ کے ساتھ جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔

۶ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان معیشت کے وسائل تقسیم کیے ہیں اور ان میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں اونچے درجے دیے ہیں تاکہ بعض لوگ بعضوں کو اپنا تابع بنائیں۔

کوئی عادلانہ معاشی نظام ان دو چیزوں کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا، اور اسلام نے اپنی معاشی تنظیم میں ان کو اساس و بنیاد کی حیثیت دے کر ہمیشہ کے لیے کیپٹل ازم اور کمیونزم کے درمیان اپنے راستہ کو ایسے واضح نشانات کے ساتھ ممیز کر دیا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی اس کے خلط ملط ہونے کا امکان باقی نہیں رہا

دنیا میں مسلمان ہی وہ قوم ہے جس پر ظالمانہ سرمایہ داری کا استیصال کرنے، اور جارحانہ اشتراکیت کے اقدام کو روکنے، اور عادلانہ معاشی نظام قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ قرآن نے اس کو ایک صحیح معاشی نقطۂ نظر دیا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ دنیا کے معاشی نقطۂ نظر کو بدل کر اس خاص نقطہ پر لائے۔ قرآن نے اس کو معاشیات کے صحیح اصول و مبادی سکھائے ہیں اور اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ دنیا کو ان اصولوں کے مطابق معاشی زندگی کی تنظیم کرنا سکھائے۔ قرآن نے اس کو معیشت میں عدل قائم کرنے کے طریقے بتائے ہیں، اور یہ کام اسی کا ہے کہ دنیا میں ان طریقوں کو پھیلائے۔ مگر کیسے ماتم کا مقام ہے کہ یہ قوم دوسروں میں صحیح علم اور صحیح طریق معیشت پھیلانے کی ہمت تو چھوڑ ہی چکی تھی، اب اسے خود اس علم کی صحت میں بھی شبہ ہو رہا ہے، اب وہ دوسروں کے مظنونات و اہواء کو علم سمجھ کر لے رہی ہے، اب خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے ہوئے خود اس کے اپنے قدم ڈگمگا رہے ہیں اور وہ شیطانی طریقوں کی طرف جانے کے لیے حیلے اور بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔

مسلمانوں میں ایک گروہ تو ایسا ہے جو قرآن سے معیشت کے اصول نہیں سیکھتا بلکہ آدم اسمتھ یا کارل مارکس سے سیکھتا ہے، اور اسے بغیر جانے بوجھے اسلامی معاشیات کے صحیح ہونے میں پورا پورا شک ہے۔ اس گروہ کا مفروضہ یہ ہے کہ قرآن ایک امی کی تصنیف ہے ـــ تصنیف لکھنے کی جرأت نہیں، مگر تصنیف ہی فرض کر کے ایسی باتیں کہی جاتی ہیں ـــ اور یہ امی علم المعیشت کی تدوین سے ۱۱ سو برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ اس سے بیسویں صدی کی متمدن زندگی میں کسی معاشی رہنمائی کی توقع ہی کرنا فضول ہے صحرائی زندگی کے لیے اس نے جو چند ہدایتیں دی تھیں وہ آج کس طرح قابل عمل ہو سکتی ہیں؟ آج کا معاشی

مذہب یا تو وہ ہے جو انیسویں صدی کے سوشلسٹ پیغمبر کارل مارکس نے پیش کیا ـــــ نعوذ باللہ یہ لوگ اس کو پیغمبری سمجھتے ہیں ـــــ یا پھر وہ ہے جو دنیا کے بڑے حصے میں "کامیابی" کے ساتھ چل رہا ہے جس کا قبلہ بینک ہے اور جس کا امام ضامن انشورنس کمپنی۔ بدقسمتی سے ہم اس گروہ کو مسلمانوں کا گروہ کہنے پر مجبور ہیں کیونکہ اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ عملاً و اعتقاداً اسلام سے پھر جانے کے باوجود اس سے پھرنے کا اعلان کر دے، اور اگر وہ اعلان کر بھی دے تو ایک مسلمان کانگریسی لیڈر کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے لوگ صریح اعلان کے باوجود مسلم قوم ہی کے فرد رہیں گے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جس کو معیشت کے علم اور اس کے اصول سے کچھ سروکار نہیں۔ وہ ہر اس راستے پر جانا چاہتا ہے جس پر آسانی سے نفع حاصل ہو سکے، اور ہر اس راستہ سے بھاگتا ہے جو اس کو حصول منفعت سے روکنے والا ہو، یا جس میں اُسے کوئی مالی قربانی برداشت کرنی پڑے۔ جُوا، لاٹری، ریس، سٹّہ، سُود، غرض تمام فاسد معاملات کو اس نے اپنے لیے حلال کر لیا ہے، اور سرے سے اس کو یہ تسلیم کرنے ہی سے انکار ہے کہ روپیہ کمانے کے ممکن اور کامیاب طریقوں میں حلال و حرام کی تمیز کرنا کوئی معقول فعل ہے۔

یہ دو گروہ تو کم از کم معاشی حیثیت سے "شُدہ" ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے غلط اور فاسد نظامِ معیشت میں جذب کر دیا، اور اس اصلاحی تحریک سے نہ صرف عملاً بلکہ اعتقاداً بھی الگ ہو گئے جسے لے کر اسلام آیا ہے۔

اب رہ گئے عامۂ مسلمین، تو یہ خدا کے فضل سے مومن ہیں، خدا اور رسول کے احکام کو سچے دل سے مانتے ہیں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے انھیں حرام سمجھتے ہیں اور ان سے بچنا چاہتے ہیں اور جن چیزوں کو حلال کیا گیا ہے انہیں حلال سمجھتے ہیں اور اپنی معاشی جدوجہد کو انہی کے دائرے میں محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ ان میں اس امر کی پوری استعداد موجود ہے کہ اسلام کی اصلاحی تحریک کا عَلَم بلند کریں، لیکن یہ بیچارے اول تو علم

سے محروم ہیں، اور اس پر مزید یہ کہ ان کی قوتیں بھی منتشر ہو چکی ہیں۔ ان کو نہ اپنے اُس مشن کا شعور ہے جو خدا نے ان کے سپرد کیا ہے۔ نہ اُس کے علمی اصول و مبادی کو یہ سمجھتے ہیں۔ نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ اس مشن کو عملاً قائم کرنے اور پھیلانے کے طریقے کیا ہیں۔ اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ سیاسی محکومی نے ان کے معاشی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے، اور یہ ایسی حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ ان کے لیے خود ہی اپنے مذہب کے اصولوں پر قائم رہنا مشکل ہو گیا ہے، کجا کہ دنیا میں ان کو پھیلا سکیں۔

اس قوم میں صرف ایک گروہ، علماء کا گروہ ایسا ہو سکتا تھا جو اس کو علمی اور عملی حیثیت سے اُن ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کے قابل بناتا جو خیر امۃ اخرجت للناس ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی ہیں۔ مگر افسوس کہ اس گروہ نے خود اپنی ذمہ داریوں ہی کو نہ سمجھا۔ ان کا فرض تھا کہ معاشیات کا مطالعہ کرتے، دنیا کے معاشی مسائل کو سمجھتے، اسلام جس معاشی اصلاح کا داعی ہے اس کے اصولوں کا فہم حاصل کرتے، وہ طریقے دریافت کرتے جن سے کسی معاشی پالیسی کو روبعمل لایا جا سکتا ہے، ان اسباب کو سمجھتے جن کی بدولت مسلمان اس وقت معیشت کے میدان میں شکست کھا رہے ہیں، اور مسلمانوں کی رہنمائی اس طور پر کرتے کہ وہ خود اپنے معاشی نظام کو درست کر کے دنیا میں اسے پھیلانے کے قابل ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں کچھ بھی نہ کیا۔ تاہم یہی اب غنیمت تھا کہ ایک طویل مدت تک وہ اپنے مقام پر سختی کے ساتھ قائم رہے، جن طریقوں کو خدا اور اس کے رسول نے حرام کہا تھا انھیں حرام ہی کہتے رہے، اور دنیا جس غلط روش پر جاری تھی اس کی پروا کیے بغیر مسلمانوں کو یہی تعلیم دیتے رہے کہ ان احکام کی پابندی کریں جو خدا نے انھیں دئے ہیں۔ اس سے کم از کم اتنا فائدہ تو تھا کہ کوئی گروہ اُس مشن کو یاد دلانے والا موجود تھا جسے مسلمان بھولتے جا رہے تھے۔ مگر وائے بدقسمتی کہ ہزیمت کے اثرات اب ہماری آخری صفوں تک بھی پہنچ رہے ہیں، ہماری فوج کا وہ دستہ بھی پسپا ہو رہا ہے جو آگے نہیں بڑھ رہا تھا تو کم از کم اپنی جگہ پر ہی ثابت قدم تھا۔

علماء میں سے ایک جماعت کا حال تو یہ ہے کہ ان میں مداہنت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ مدتوں سے جدید تعلیم یافتہ حضرات ان بزرگوں کو قدامت پرستی اور تاریک خیالی کے طعنے دے رہے تھے اور ان پر الزام دھرتے تھے کہ آپ زمانے کے ساتھ نہیں چلتے۔ یہ طعنے ان کی طاقت برداشت سے زیادہ سخت ثابت ہوئے، حتیٰ کہ جو لوگ برطانوی سپاہیوں کی لاٹھیاں کھا سکتے تھے، جیل کی کڑیاں سہہ سکتے تھے، وہ بھی ان طعنوں کی سہار اپنے اندر نہ پا سکے۔ پروپگنڈا کی طاقت اور فاسد ماحول کی طاقت، مادّی ظلم وستم کی طاقت سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔ اس نے علم اور کیرکٹر کی طاقت کو دبا لیا، اور یہ بزرگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنے آپ کو روشن خیال اور آپ ٹو ڈیٹ عالم ثابت کرنے کے لیے وہ سب کچھ کہنا اور کرنا شروع کر دیں جو نئے تعلیم یافتہ گروہ کی اہواء کے مطابق ہو۔ اب وہ زمانے کے ساتھ چل کر بتا رہے ہیں۔ سیاسیات میں طریق اسلامی سے انحراف، فتووں میں مداہنت، تقریروں میں "روشن خیالی" کی نمائش، یہ سب کچھ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے بعض تو بالقصد ایسا کر رہے ہیں، اور بعض کے دل میں مداہنت کا چور گھس چکا ہے، مگر انھیں اس کا شعور نہیں ہے۔

ان حضرات سے قطع نظر کر کے جب ہم ان علماء کو دیکھتے ہیں جو مداہنت کی وبا سے محفوظ ہیں تو ان میں ہم کو دو گروہ نظر آتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو بینکنگ اور انشورنس کے خلاف اپنے اسی مسلک پر قائم ہے جو ابتدا میں انہوں نے یا ان کے پیشروؤں نے اختیار کیا تھا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کو حل کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، اور اس کے نزدیک حل مشکلات کی صورت بس یہی ہے کہ جس کو خدا نے حرام کیا تھا اسے حلال کرنے کی صورتیں نکالی جائیں، یا بالفاظ دیگر حدود شریعت میں رخنے نکالے جائیں تاکہ اتباع شیطان کا چور ان راہوں سے بآسانی گھس سکے۔ میں نے ان دونوں گروہوں کی اکثر تحریروں کو دیکھا ہے، اور ان دونوں میں ایک ہی قسم کی کمزوری پائی ہے۔ بالعموم یہ حضرات بینکنگ اور انشورنس کے مسئلے کو، فقہ، یعنے سول لا کے

نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک جزئی معاملہ ہے فرد اور فرد کے درمیان۔ ایک فریق بینکر یا انشورنس کا کارندہ ہے، اور دوسرا فریق وہ شخص ہے جو اس سے معاملہ کرتا ہے۔ اب وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ فقہا نے مالی لین دین اور عقود کے بارے میں جو قوانین مرتب کیے ہیں ان کے لحاظ سے فریقین کا باہمی معاملہ کس نوعیت کا ہے۔ جو علما رقانون اور اس کے نفاذ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس کو عقد فاسد قرار دیتے ہیں، اور جن کی نگاہ میں افراد قوم کی مالی مشکلات زیادہ اہمیت رکھتی ہیں وہ قانون اضطرار کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، یا پھر مسئلہ دار الحرب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ سے تعرض کرنے کا یہ طریقہ ہی اصولاً غلط ہے۔ بینکنگ اور انشورنس اور مالیات جدیدہ کے دوسرے شعبوں پر سوال لا کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ معاشیات کے نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔ انھیں اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ایک خاص معاشی نظام کو چلانے والے شعبے ہیں، ایک خاص معاشی پالیسی ہے جس کو یہ عمل میں لاتے ہیں، چند خاص معاشی اصول ہیں جن پر یہ قائم ہیں، اور ایک خاص رخ ہے جس پر یہ دنیا کے معاشی معاملات کو لیے جا رہے ہیں۔ اصل تنقیح طلب سوال یہ ہے کہ اسلام اس معاشی نظام اور اس کے اصول و قواعد اور اس کی پالیسی سے موافقت رکھتا ہے یا نہیں، اور اس بات کو گوارا کر سکتا ہے یا نہیں کہ دنیا کے معاشی معاملات اسی رخ پر جائیں جس پر یہ ادارے انھیں لے جا رہے ہیں۔ اگر اسلام ان سے موافقت نہیں رکھتا، اور ان کی رہنمائی کو گوارا نہیں کر سکتا تو مسلمانوں کے لیے اُن سے تعاون کرنا، اور اپنے معاملات کو ان کے ہاتھ میں دینا اصلاً غلط ہوگا۔

پھر یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ہم ان اداروں کے بعض معاملات کو بعض سے الگ کر کے یہ دیکھیں کہ کونسا جزئیہ ہمارے سوال لا کے کس جزئیہ کے موافق یا مخالف ہے۔ اس لیے کہ ان کے تمام جزئی معاملات ایک ہی کل کے اجزا ہیں اور سب مل کر ایک کلی نظام کی خدمت کر رہے ہیں۔ کُلی نظام کی

جو طبیعت ہے وہی اس کے ہر ہر جزء کی طبیعت ہے، اور اگر کوئی جزء ہمارے سول لا کے مطابق فساد سے پاک بھی ہے، تب بھی وہ بہر حال کلی نظام کے فساد کا تابع ہے۔

مزید براں یہ بھی غلط ہے کہ ہم بنک اور انشورنس وغیرہ اداروں کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات کو شخصی معاملات کی حیثیت سے دیکھیں۔ یہ شخصی معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی معاملہ ہے۔ یہ ادارے ایک اجتماعی نظام کے ادارے ہیں۔ اور ہم ایک دوسرے اجتماعی نظام کے افراد ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشی معاملات کو ان اداروں کے ہاتھ میں دیدیں اور ان کے اصول و قواعد کے تابع ہو کر اپنا زرِ نقد ان میں لگائیں اور اپنے کاروبار ان کے ذریعہ سے چلائیں، تو اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ایک معاشی گروہ کی حیثیت سے ان کے اجتماعی نظام میں جذب ہو جائیں گے، اور خود اپنی معاشی پالیسی کو بروئے کار لانے کے بجائے اپنی تمام قوتیں اُس پالیسی کو فروغ دینے میں صرف کرنے لگیں گے جس کو وہ چلا رہے ہیں۔ یہ نتیجہ ایک بڑی حد تک پیدا ہو بھی چکا ہے۔ صرف ایک چیز باقی ہے جس نے ابھی تک مسلمانوں کو بالکلیہ نظام سرمایہ داری میں جذب ہونے سے بچا رکھا ہے، اور وہ سود کی حرمت کا اعتقاد، اور دین میں حرام و حلال کی تمیز کا خیال ہے۔ اسی چیز نے اس قوم میں غیر شعوری طور پر اس احساس کو زندہ رکھ چھوڑا ہے کہ ہم سرمایہ داری و اشتراکیت، دونوں سے الگ ایک مستقل معاشی نظام کے پیرو، اور ایک اصلاحی مشن کے علمبردار ہیں۔ اگر اس روک کو اضطرار کے حیلے یا دار الحرب کے بہانے سے دور کر دیا گیا تو پھر یہ رہا سہا احساس بھی فنا ہو جائے گا، اور وہ قوم جو دنیا میں فاسد معاشی نظاموں کو مٹا کر عادلانہ نظام قائم کرنے والی ایک ہی قوم ہے، خود ان فاسد نظاموں میں سے ایک کے اندر جذب ہو کر رہ جائے گی۔

یہی نقطۂ نظر ہے جس سے ہم آئندہ صفحات میں بنکنگ اور انشورنس کے مسائل پر نگاہ ڈالیں گے۔ (باقی)